

بحث و نظر

قط (۲)

عصر حاضر میں شمن عرفی کیلئے معیار نصاب سونا ہے یا چاندی؟

۳۔ عن انس قال ولانی عمر بن الخطاب الصدقات فامونی ان آخذ من کل عشرین دینار نصف و ما زاد فبلغ اربعة لثانی ففیہ درہم و ان آخذ من مائتی درہم خمسة درہم فما زاد فبلغ اربعین درہماً ففیہ درہم۔ (کتاب الاموال لابن عبید۔ ص ۴۲۲ رقم ۱۱۶۷)

ترجمہ:- حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجھے صدقات لینے پر مامور کیا اور مجھے حکم دیا کہ میں ہر بیس دینار میں سے نصف دینار وصول کروں اور جب مزید چار دینار ہو جائیں تو ایک درہم۔ اور دو سو درہم میں پانچ درہم وصول کروں اور جب مزید چالیس درہم ہو جائیں تو اس میں ایک درہم۔

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے: لیس فیما دون خمس او قیة من الورق صدقة۔ ترجمہ: کہ چاندی کے پانچ اوقیہ سے کم میں کوئی صدقہ نہیں اوقیہ چاندی کے اس روپیہ (سکے) کو کہا جاتا ہے جو حکومت سے منظور شدہ ہو بغیر ضرب (مہر) والے کو اوقیہ نہیں کہا جاتا اور ایک اوقیہ چالیس درہم کے مجموع کو کہا جاتا ہے تو اس طرح ۳۰ × ۵ = ۲۰۰ درہم بن جاتے ہیں لہذا چاندی کا نصاب قرآن و سنت کی صریح روایات اور اجماع کے مطابق ۲۰۰ درہم ہیں۔ لہذا جب کسی کے پاس ۲۰۰ درہم موجودہ حساب کے مطابق ساڑھے باون تولہ چاندی جمع ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس میں ۵ درہم زکوٰۃ دینا لازم ہے۔

سونے کے نصاب کے بارے میں مذاہب

ان روایات کے پیش نظر سونے کا نصاب جمہور فقہاء و محدثین کے نزدیک بیس مثقال یعنی بیس دینار ہیں۔ امام حسن بصریؒ سے ایک روایت چالیس دینار کی بھی مروی ہے اور ان روایات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سونے کا نصاب ذاتی ہے جو کسی دوسرے نصاب کے تابع نہیں۔ یہ جمہور کی رائے ہے البتہ امام طاووسؒ اس بارے میں جمہور علماء کیساتھ اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں سونا چاندی کا تابع ہے یعنی سونے کے نصاب میں چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

لہذا جب سونے کی قیمت دوسو درہم کو پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ (نیل الاوطار ۱۳۱/۴)
سونے کا مستقل نصاب ہے

مگر حقیقت یہ ہے کہ سونے کا نصاب مستقل ہے جمہور کی رائے (کہ سونے کا نصاب ذاتی ہے) کی تائید گزشتہ روایات سے بھی ہوتی ہے اور اس کے علاوہ امام ابو عبیدہ کی روایت کردہ حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عن محمد بن عبد الرحمن الانصاری وهو تابعی ان فی کتاب رسول اللہ ﷺ و فی کتاب عمر فی الصدقة ان الذهب لا یؤخذ منه شئ حتی یتبلغ عشرين دینارا فان اطلع عشرين دینارا ففیہ نصف دینار۔ (فقہ الزکاۃ ۲۵۰/۱)

ترجمہ: محمد بن عبد الرحمن انصاری جن کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت عمرؓ کے مکتب میں جو زکاۃ کے بارے میں ہے لکھا ہوا ہے کہ سونے سے اس وقت تک زکاۃ وصول نہ کی جائے جب تک وہ بیس دینار تک نہ پہنچے اور جب بیس دینار ہو جائے تو نصف دینار زکوٰۃ میں دینا لازم ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ بہت ساری احادیث اور آثار صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے تقادیر منقولی ہیں کوئی کسی کا تابع نہیں اور اسی پر امت کا عملی اجماع ہے۔ چنانچہ علامہ یوسف قرضاوی لکھتے ہیں

وعلى هذا التقدير استقر الامر واستمر العمل بعد الخليفة الراشد عمر بن عبد العزيز ولم يحك بعد ذلك خلاف يذكر حتى حكى الائمة الاجماع العمل على هذا التقدير۔ (فقہ الزکاۃ ۲۵۰/۱)

ترجمہ: انہی مقادیر پر فیصلہ تھا اور خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیزؓ کے بعد بھی اسی پر عمل ہوتا رہا کسی سے بھی کوئی خلاف منقول نہیں ہے بلکہ ائمہ کرام کا اسی پر اجماع عملی منعقد ہونا منقول ہے۔

امام مالکؒ کی رائے بھی جمہور کے مطابق ہے کہ سونے چاندی پر دونوں کا نصاب مستقل ہے کوئی کسی کا تابع نہیں انہوں نے تو اپنی رائے کی تائید کے لئے بطور دلیل اہل مدینہ کا تعامل پیش کیا ہے اس لئے ان کے ہاں اہل مدینہ کا تعامل ایک دلیل شرعی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

السنة التي لا اختلاف فيها عندنا ان الزكاة تجب في عشرين دینار

عندنا كما تجب في مائتي دراهم (موطا امام مالک ۲۳۶ باب الزکاۃ فی العین والورق)

ترجمہ: وہ طریقے جس میں ہمارے ہاں کوئی اختلاف نہیں یہ ہے کہ سونے کے بیس دینار میں ہی زکوٰۃ واجب ہے۔ جس طرح دوسو درہم میں واجب ہوتی ہے۔

اسی طرح علامہ ابن قدامہؒ فرماتے ہیں۔

اجمع اهل العلم على ان في مائتي درهم خمسة دراهم وعلى ان

الذهب اذا كان عشرين مثقالا و قيمته ماتادارهم ان الزكاة تجب فيه
الاما اختلف فيه عن الحسن۔ وقال عامة الفقهاء نصاب الذهب عشرون مثقالا
من غير اعتبار قيمتها۔ (المغنی ۳/۶۰)

ترجمہ: اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ چاندی کے دوسو درہم اور سونے کے بیس مثقال جن کی قیمت دو درہم
ہے میں زکوٰۃ واجب ہے۔ عام فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ سونے کا نصاب بغیر چاندی کی قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے
بیس مثقال ہے۔

گویا جمہور فقہاء کے نزدیک دونوں نصابوں کو مستقل اور مساوی حیثیت حاصل ہے۔ کوئی بھی دوسرے کے
لئے معیار نہیں اور جہاں تک بعض علماء کی رائے کا تعلق ہے کہ چاندی سونے کے لئے بھی معیار ہے تو وہ شاذ اور مرجوح
قول ہے۔ اور فقہ اسلامی میں شاذ قول کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا لہذا جس شخص کے پاس ۱۲/۵۲ تلوہ چاندی یا ۱۲/۷ سونا
موجود ہو اس پر سال گزر جانے کے بعد زکوٰۃ واجب ہے۔

جملہ نصابات باعتبار مالیت ایک ہے:

اسلام کے نظام زکوٰۃ میں اگرچہ مختلف اشیاء کے مختلف نصابات مقرر ہیں جو اشیاء جنسیت کے اعتبار سے
مختلف ہیں۔ مثلاً سونے کا نصاب الگ، چاندی کا الگ، گائے، بھینس کا الگ اور بھیڑ، بکریوں کا الگ ابتداء اسلام
میں ان سب کی قیمت اور مالیت میں یکسانیت پائی جاتی تھی۔ مثلاً اونٹوں کا نصاب لیا جائے، عرب معاشرہ میں، اونٹوں کا
کثرت سے رواج تھا، عرب لوگ اونٹوں سے مالی، تجارتی اور دیگر فوائد حاصل کیا کرتے تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ
نے ان میں زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے الگ نصاب مقرر کر کے فرمایا:

لا زکوٰۃ فی اقل من خمس من الابل (الجامع الصحیح للمصنوع ۲۰۱/۱)
”کہ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں“

اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت سالم کو ایک مکتوب ارسال فرمایا تھا جس میں اونٹوں کے نصاب کے متعلق درج تھا:

و فی خمس من الابل شاة (ابن ماجہ ص ۱۲) کہ پانچ اونٹوں میں ایک بکری ہے اونٹوں کا یہ نصاب اس زمانہ
میں ۲۰۰ درہم کے برابر تھا مشہور حنفی عالم دین علامہ سرخسی فرماتے ہیں وفی ذلک الوقت و بنت
المخاض باربعین درهما فایجاب الزکوٰۃ فی خمس من الابل کایجاب الزکوٰۃ
فی مائتی درهما وان الدنئی الاسباب التي تجب فیها الزکوٰۃ من الابل بنت
مخاض (مبسوط سرخسی ۲/۱۵۰ کتاب الزکوٰۃ)

اس زمانہ میں بنت مخاض چالیس درہم کا ہوتا تھا، پس پانچ اونٹوں میں ایجاب زکوٰۃ ایسا تھا جیسا دوسو درہم

کہ اس زمانے میں ایک بھری کی قیمت پانچ درہم تھی اسی طرح حضرت ابو بکر صدیقؓ کا شاہی مراسلہ بھی

اس بات کی دلیل ہے کہ اس زمانہ میں ۴۰ بکریوں کی مالیت ۲۰۰ درہم تھیں۔

یہ مکتوب آپؐ نے حضرت انسؓ کو زکوٰۃ کے متعلق لکھا تھا، مکتوب کے الفاظ یہ ہیں

ان انما حدثه ان ابابکر كتب له فريضة الصدقة التي امر الله ورسوله
من بلغت عنده من الابل صدقة الجذعة وليست عنده جذاعة وعنده حقة فانها تقبل
منه الحقة وحلل معها شاتين ان استيرتاله او عشرين درهما ومن بلغت عنده
صدقة الحقة وليست عنده الحقة وعنده الجذعة ويعطيه المصدق عشرين درهما او
شاتين ومن بلغت عنده صدقة الحقة وليست عنده الا بنت لبون فانها تقبل منه
بنت لبون ويعطى شاتين او عشرين درهما ومن بالغت صدقته بنت لبون
وعنده حقة فانها تقبل منه الحقة ويعطيه المصدق عشرين درهما او شاتين ومن
بلغت صدقة بنت لبون وليست عنده وعنده بنت مخاض فانها تقبل منه بنت مخاض
ويعطى معها عشرين درهما او شاتين (فتح البخاري ۱/۱۹۵)

”حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ ابو بکرؓ نے ان کے لئے فرض زکوٰۃ لکھ دی جس کا حکم اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دیا یعنی جس کے پاس اتنے اونٹ ہو جائیں کہ چار برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں دینا پڑے (یعنی ۶۱ سے ۷۵ تک) اور چار برس کی اونٹنی اس کے پاس نہ ہو بلکہ تین برس کی ہو تو وہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ اگر بکریاں اس کے پاس ہوں تو دو بکریاں لے جائیں یا بیس درہم لئے جائیں اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ تین برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں دینا ہو (۳۶ سے ۶۰ تک) اور اس کے پاس تین برس کی اونٹنی نہ ہو چار برس کی ہو تو وہی لے لی جائے اور زکوٰۃ کے تحصیلدار اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے دے اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ تین برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں دینا ہو وہ اس کے پاس نہ ہو دو برس کی اونٹنی ہو تو وہی اس سے لے لی جائے اور وہ بیس درہم یا دو بکریاں اور تحصیلدار کو دے اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ دو برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں دینا ہو (۳۶ سے ۴۵ تک) لیکن اس کے پاس وہ نہ ہو تین برس کی اونٹنی ہو تو وہی لے لی جائے اور تحصیلدار اس کو بیس درہم یا دو بکریاں دے دے اور جس کے پاس اتنے اونٹ ہوں کہ دو برس کی اونٹنی زکوٰۃ میں دینا ہو وہ اس کے پاس نہ ہو ایک برس کی اونٹنی ہو تو وہی لے لی جائے اور اس کے ساتھ تحصیلدار کو بیس درہم یا دو بکریاں اور دے۔“

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ بکریوں کے نصاب زکوٰۃ کی قیمت و مالیت دو درہم یا دو بکریاں میں چاندی کے برابر تھی، اسی طرح کھجور وغلہ کا نصاب بھی اونٹوں اور بکریوں کے نصاب کی طرح ۲۰۰ درہم یا بیس مثقال کے برابر تھا، چنانچہ علامہ سید سلیمان ندویؒ نے سیرت النبی ﷺ میں رقم طراز ہیں:

عہد رسالت مآب ﷺ کے عہد میں زکوٰۃ کی مالیت دو درہم یا دو بکریاں تھی یعنی پانچ اونٹ اور پانچ

دست کی قیمت دو سو درہم یا بیس مثقال ہوگی“ (سیرت النبی ۱۲۲/۵)

گزشتہ تفصیل سے بات بالکل عیاں اور بے غبار ہوئی کہ دور رسالتؐ جملہ نصابات باعتبار مالیت کے یکساں تھے۔ اسلام میں زکوٰۃ امراء کے ذمے ہے:

اور اس کے ساتھ اسلامی نظام زکوٰۃ میں اس بات کا خصوصیت کے ساتھ خیال رکھا گیا ہے کہ یہ زکوٰۃ امرأ پر لاگو ہو۔ غرباء اس فریضہ سے مستثنیٰ ہوں۔ تاکہ فلسفہ زکوٰۃ پر پوری طرح عمل ہو کہ توازن پیدا ہو جائے۔ بخلاف شرائع من قبلنا کے کہ انکے ہاں امیر فقیر کی کوئی تمیز نہ تھی۔ ہر ایک زکوٰۃ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

شرح زکوٰۃ کے تعین کے سلسلہ میں شرائع سابقہ میں ایک اور کمی تھی جس کو تکمیل محمد رسول اللہ ﷺ کی شریعت نے کر دی، جن دوسری شریعتوں میں قانونی خیرات کی تعین ہے ان میں غریب اور کم اور زیادہ دولت والوں کی تفریق نہیں کی گئی تھی مثلاً اگر دس بیس روپے والوں یا دس پانچ گائے اور بکری والوں سے یہ زکوٰۃ وصول کی جاتی، تو ان پر ظلم ہوتا، تو رات میں غلہ اور مویشی پر جو عشر اور نقد پر جو آدھا مثقال مقرر کیا گیا ہے، اس میں اس کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے بلکہ آدھے مثقال کی زکوٰۃ میں تو یہاں تک کہہ دیا گیا ہے کہ ”خداوند کیلئے نذر کرتے وقت آدھے مثقال سے امیر زیادہ نہ دے اور غریب کم نہ دے“ (خروج: ۳۰-۱۵)

لیکن شریعت محمدی نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا اور غریبوں، ناداروں، مقروضوں اور ان غلاموں کو جو سرمایہ نہیں رکھتے یا اپنی آزادی کیلئے سرمایہ جمع کر رہے ہیں اس سے بالکل مستثنیٰ کر دیا، نیز دولت کی کم مقدار رکھنے والوں پر بھی ان کی اپنی حسب خواہش اخلاقی خیرات کے علاوہ کوئی باقاعدہ زکوٰۃ عائد نہیں کی۔ (سیرۃ النبی ۱۲۱/۵)

موجودہ کرنسی میں زکوٰۃ:

سونے، چاندی اور دیگر اموال میں وجوب زکوٰۃ کا مسئلہ بیان ہوا مگر زمانہ حال کے روپیہ، ریال، ڈالر وغیرہ کرنسی کی تصریح قدیم فقہی ذخائر میں نہیں ہے اسکی وجہ غالباً یہ ہے اور یقیناً یہ ہے کہ اس قسم کا نظام پہلی جنگ عظیم کے بعد رائج ہوا ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا وجود نہیں تھا۔ اسلئے قدیم فقہاء کرام نے اس بارے میں کوئی تصریح نہیں فرمائی البتہ متاخرین نے اس میں زکوٰۃ کے وجوب پر بحث کی ہے۔ اس لئے کہ اب یہ کرنسی لوگوں کے ہاں مال بن چکا ہے لوگ اسی سے لین دین کرتے چلے آ رہے ہیں۔ سارے تجارتی معاملات اسی کرنسی سے طے ہوتے ہیں بلکہ ہر معاملے میں اسی کا رواج ہے۔ آج کل تو اسی کرنسی کو سونے، چاندی کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے عرفاً یہ خمن بن چکی ہے اسلئے مذاہب ثلاثہ (حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ) کے فقہاء امیں وجوب زکوٰۃ کا قول کرتے ہیں۔ علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

وبما ان هذا النظام ظهر حديثا بعد الحراب العالمية الاولى فلم يتكلم فيه فقهاءنا القدامي وقد بحث فقهاء العصر حكمه في هذه النقود الورقية فقرروا وجوب

الزكاة فيها عند جمهور الفقهاء (الحنفية) المالكية و الشافعية) لأن هذا النقود أما بمثابة دين قوى على خزانة الدولة او سندات دين (الفقه الاسلامي وادلته ۷۷۲/۲) ترجمہ: یہ جدید نظام پہلی جنگ عظیم کے بعد رائج ہوا ہے اس لئے اس بارے میں قدیم فقہاء نے کوئی بحث نہیں کی لیکن معاصر فقہاء نے ان نقود میں زکاة کے وجوب کا قول کیا ہے حتیٰ کہ جمہور فقہاء (حنفیہ شافعیہ اور مالکیہ) نے زکوة واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے اس لئے کہ یہ نقود یا تو دین قوی کی طرح ہے جو حکومتی خزانہ میں پڑی ہے اور یا یہ اس سونے یا چاندی کی سندات ہیں۔ اور ان تمام صورتوں میں زکوة واجب ہے۔ البتہ فقہاء حنابلہ اس میں وجوب زکوة کے قائل نہیں ان کا کہنا ہے کہ جب تک اس کو سونے یا چاندی سے تبدیل نہ کیا جائے۔ اس وقت تک ان نقود میں کوئی زکوة واجب نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

ولم ير اتباع المذهب الحنبلي الزكاة فيها حتى يتم صرفها فعلا بالمعدن النفيس (الذهب او الفضة) قياساً على قبض الدين. (الفقه الاسلامي وادلته ۷۷۲/۲) ترجمہ: البتہ فقہاء حنابلہ موجودہ کرنسی میں وجوب زکوة کے قائل نہیں جب تک اسے سونے یا چاندی سے تبدیل نہ کرایا جائے، یہ فقہاء کرام اس کو قرض کے قبضہ ہونے پر قیاس کرتے ہیں۔ اور اسی طرح علامہ الجزائرئی نے بھی موجودہ کرنسی میں وجوب زکوة کے بارے میں چاروں مذاہب یوں ذکر کیا ہے۔

جمهور الفقهاء يرون وجوب الزكاة في الاوراق المالية لانها حلت محل الذهب والفضة في التعامل اجمع فقهاء الثلاثة الائمة على وجوب الزكاة فيها وخالف الحنابلة فقط (كتاب الفقه على مذهب الاربعة ۱/۶۰۵) ترجمہ: جمہور فقہاء موجودہ کرنسیوں میں وجوب زکوة کے قائل ہیں اس لئے کہ یہ سونے اور چاندی کے قائم مقام ہے۔ تین مذاہب کے فقہاء کا رموزہ کرنسی میں وجوب زکوة پر اتفاق ہے صرف حنابلہ نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ البتہ اس میں رائج اور صحیح جمہور فقہاء کی رائے ہے۔ اور اسی پر نونئی ہے۔ چنانچہ علامہ زحیلی لکھتے ہیں:

والحق وجوب الزكاة فيها لانها اصبحت هي اثمان الاشياء و امتنع التعامل بالذهب ولم تسمع اى دولة باخذ الرصيد المقابل لاي فئة من اوراق التعامل ولا يصح قياس هذه النقود على الدين لان الدين لا ينتفع به صاحبه وهو الدائن ولم يوجب الفقهاء زكاته الا بعد قبضه لاحتمال عدم القبض و اما هذا النقود فينتفع بها حاملها فعلا كما ينتفع بالذهب الذي اعتبر ثمن الاشياء وهو يحوزها فعلا فلا يصح القول بوجوب اختلاف في زكاة هذه النقود و القول بعدم الزكاة فيها لاشك بانه اجتهاد

دخلنا لانه يولى فى النتيجة البينة الا زكاة على اخطروا هم نوع من اموال الزكاة
فيجب قطعاً ان تزكى النقود الورقية زكاة الدين الحال على ملئى

(الفقه الاسلامي وادلته ۷۷۲/۲)

ترجمہ: حق بات یہ ہے کہ اس میں زکاة واجب ہے اس لئے کہ یہ اشیاء (کرنسی) ائمان بن چکے ہیں سو۔
چاندی سے معاملہ منقطع ہو چکا ہے اس لئے کسی ملک میں بھی یہ بات نہیں سنی گئی کہ کسی نے اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے
انکار کیا ہو اور اصل شے (سونایا چاندی) کا مطالبہ کیا ہو اس لئے اس کو دین پر قیاس کرنا صحیح نہیں وجہ یہ ہے کہ دین سے دائر
فائدہ حاصل نہیں کر سکتا اور نہ فقہائے قبضہ سے پہلے اس پر زکوة واجب کی ہے۔ اس لئے کہ اس میں عدم قبض کا ائمان ہے
حالانکہ اس نقد سے حامل فائدہ بھی لیتا ہے جیسا کہ وہ سونے سے لیتا تھا جو اشیاء کے شے معتبر مانی جاتی تھی۔ اس کرنسی
میں وجوب زکوة میں اختلاف کا قول کرنا صحیح نہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ عدم وجوب زکوة کا قول اجتہاداً خطا ہے۔

کرنسی میں کون سا نصاب معین ہوگا

جب مروجہ کرنسی میں زکوة واجب ہے تو اب اس میں کون سا نصاب معتبر ہے؟ تو قرآن و سنت یا اجماع امت
میں اس کیلئے کوئی مستقل نصاب موجود نہیں ہے تو لازمی بات ہے اس لئے اس کا نصاب ذاتی نہیں بلکہ سونا چاندی میں
سے کسی ایک کا تابع ہے۔ یعنی جب مروجہ کرنسی کسی کے پاس ۵۲ "۱۲" ۷۲ تولہ چاندی یا ۷۲ تولہ سونے کی قیمت و مالیت
کے برابر ہو جائے تو اس شخص پر زکوة واجب ہو جائے گا۔

مگر اب سوال یہ ہے کہ موجودہ دور میں کون سا نصاب معیار بنایا جائے تاکہ اس کے مطابق کرنسی کی زکوة ادا
کی جاسکے۔ تو اس بارے میں کتابوں کے اندر تین قسم کی آراء پائی جاتی ہیں۔

- (۱) کہ موجودہ کرنسی کو چاندی کے نصاب زکوة پر پرکھا جائے اگر اس کی قیمت چاندی کے نصاب کی مقدار تک
پہنچتی ہو تو زکوة واجب ورنہ نہیں یہ رائے اکثر علماء امت کی ہے اور آج تک دارالافتاؤں سے اسی پر فتویٰ چلا آ رہا ہے
- (۲) دوسری رائے عرب متحققین اور دوسرے علماء کی ہے کہ موجودہ دور کے متغیر حالات کے تناظر سے اس امر پر
نگاہ نہرتی ہے کہ مروجہ کرنسی کا نصاب سونے کے نصاب کی قیمت کے مطابق ہونا چاہیے ان میں امام ابو زہرہؒ شیخ و ہبہ
رحمہی، شیخ یوسف قرضاویؒ شیخ جاد الحق علیؒ جادا الحقؒ وغیرہ حضرات شامل ہیں۔

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ تقویم عروض کے لئے زیادہ انسب و عادل طریقہ یہ ہوگا کہ چاندی اور سونے کے ہر
دور نصاب (جن کی قدر زمانہ رسالت میں متحد تھی) جمع کر دیئے جائیں اور شے رائج الوقت سے ان کی مجموعی قیمت نکال

کر اس نصف کو معیار نصاب قرار دیا جائے (حدیث فقہی مباحثہ ۸۱۲/۷)

یہ اختلاف اس لئے واقع ہوا ہے کہ ثمنین کے علاوہ دیگر اموال تجارت یا موجودہ دور کی کرنسی میں زکوٰۃ کیلئے کوئی ذاتی نصاب مقرر نہیں ہے بلکہ شریعت مقدسہ نے اس کو احد ثمنین کا تابع قرار دیا ہے کہ سونا یا چاندی کے نصاب پر اس کی قیمت لگائی جائے

اس لئے کہ اس میں زکوٰۃ مالیت کے اعتبار سے ہے نہ کہ اعیان کے اعتبار سے۔ تو قیمت بھی مالیت کے ساتھ لگائی جائے گی جو نقدین (سونا، چاندی) ہیں۔

تقویم میں مالک کو اختیار

البتہ اس تقویم میں صاحب مال مختار ہے کہ جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے۔ اس اختیار کی وضاحت کیلئے فقہاء کرام کے چند عبارات بطور نمونہ پیش کی جاتی ہیں۔

شمس الائمہ علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:

قال فی کتاب و یقومها یوم حال الحول علیہا ان شاء بالدر اہم و ان شاء بالدنانیر وجہ روایت کتاب ان وجوب الزکوٰۃ فی عروض التجارة باعتبار ما لیتھا لون التقویم بمعرفة مقدار المالیة و النقدا ان فی ذالک (المالیة) علی السواء فکانت الخیار الی صاحب المال بایہما شاء (مبسوط ج ۲ ص ۱۹۱)

جب مال تجارت پر ایک سال گزر جائے تو اسی دن اس کی قیمت چاندی یا سونے سے لگائی جائے گی۔

الکتاب کی روایت کی وجہ یہ ہے کہ اموال تجارت میں زکوٰۃ کا وجوب مالیت کے اعتبار سے ہے اعیان کے اعتبار سے نہیں اس لئے اس کی قیمت بھی مالیت کی سی ہوگی جو نقدین ہیں مگر اس میں صاحب مال کو اختیار ہے کہ جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے۔

۲۔ شیخ عبدالرحمان الجزائریؒ حنفیہ کا مذہب نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تجب الزکوٰۃ فی عروض التجارة بشروط منها ان تبلغ قیمتھا نصابا من الذهب و الفضة و تقوم بالمضروبة منھما و لہ تقویمھا باى النوعین شاء

(کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ۱ ص ۶۰۷) زکوٰۃ عروض التجارة

اموال تجارت میں شروط کے ساتھ زکوٰۃ دینی ہوگی۔

(۱) اس کی قیمت سونے یا چاندی تک پہنچ جائے

(۲) اس کی قیمت سرکاری درہم اور دینار کے ساتھ قیمت لگائی جائے البتہ قیمت دونوں نقدین میں سے جس کے

ساتھ چاہے لگائی جائے۔ © rasailojaraid.com

(۳) علامہ نوویؒ فرماتے ہیں انہ یقوم بما شاء منهما ہو قول ابی اسحاق وهو

الاضطر لانہ لامزیة لاحدهما علی الآخر فخير بينهما۔ (المجموع شرح مہذب ص ۶۳ ج ۶)
دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے یہ قول ابو اسحاق کا ہے اور یہی اظہر ہے اس لئے کہ اس میں کسی ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں دی گئی ہے پس اس کو دونوں کا اختیار دیا گیا۔ آگے لکھتے ہیں:

اصحها عند المصنف والبند نیجی و آخرین من الاصحاب ہو قول
ابی اسحاق المروزی یتخير المالك فيقوم بما شاء منهما لانه لامزیة لاحدهما
علی الآخر (المجموع شرح مہذب ۶/۶)

ان اقوال میں سب سے زیادہ صحیح قول مصنفؒ بند نیجی ابو اسحاق المروزی اور دوسرے حضرات کا ہے کہ مالک کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے قیمت لگائے اس لئے کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نہیں ہے۔

۴۔ علامہ ابوبکر کاسانیؒ لکھتے ہیں، والنقدان فی ذالک بیان فکان الخيار
الی صاحب المال یقومہ بایهما شاء؛ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۰)
نقدین (سونا اور چاندی) تو اس بارے میں مسئلہ واضح ہے باقی اختیار تو صاحب مال کے ہاتھوں میں ہے وہ جس کے ساتھ قیمت لگانا چاہے لگا سکتا ہے۔

(۵) علامہ ابوالبرکات النسیؒ لکھتے ہیں وفی عروض تجارة بلغت نصاب ورق
او ذهب کے علامہ عمر ابن کحیمؒ تحت لکھتے ہیں والحمد کور فی الاصل ان المالك مخیر فی
تقویمها بایهما شاء (انظر الفتاویٰ شرح کنز الدقائق ۱/۴۴۱)

تجارتی سامان جب سونے یا چاندی کے نصاب تک پہنچ جائے تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے اس بارے میں اصول یہ ہے کہ مالک کو اختیار ہے تو وہ ان دونوں نصابوں میں سے جس کے ساتھ مناسب سمجھے قیمت لگائے۔

مذکورہ عبارات سے یہ مسئلہ واضح ہوا کہ اصل مذہب میں صاحب مال اپنے مالی تقویم میں مختار ہے وہ نقدین میں سے جس کے ساتھ چاہے اور جو مناسب سمجھے قیمت لگائے اور اسی حساب سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اس پر کوئی پابندی نہیں اگر متاخرین کی کتابوں میں کسی ایک کو متعین کیا گیا ہو تو یہ تعین اجتہادی ہے اور اجتہادات وقتی تقاضوں سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

اختیار کی وجہ:

لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا مالک کو اختیار ہے کہ وہ اپنے مالی تقویم میں سے کسی ایک کو متعین کیوں نہیں کیا گیا؟

تو جواب یہ ہے کہ یہ دونوں ثمن (سونا اور چاندی) خلتی ہیں اور عہد نبوی ﷺ میں ان دونوں کے ساتھ تجارت ہوا کرتی تھی اور دونوں نصابوں کی مالیت بھی برابر تھی۔

☆ علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

فان الدينار على عهد رسول الله ﷺ مقوماً بعشر دراهم؛ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۸)
پیشک آپ ﷺ کے دور میں ایک دینار کی قیمت دس دراهم کے برابر تھی۔

☆ علامہ ابن رشد قرطبیؒ لکھتے ہیں:

ينزل الدينار بعشر دراهم على ما كانت عليه قديماً (بداية المجتهد ج ۱ ص ۱۸۷)
کہ قدیم زمانہ میں ایک دینار دس دراهم کے برابر تھا۔

☆ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

الدينار في الزكاة عشرة دراهم؛ (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۵ ص ۱۲)
زکوٰۃ میں ایک دینار کی مالیت دس دراهم کے برابر ہے۔

☆ علامہ مرغینانیؒ فرماتے ہیں کہ

وليس فيما دون اربعة مثاقيل صدقة عند ابی حنيفة وعندهما تجب بحساب ذلك وهي مسألة الكمور وكل دينار عشرة دراهم في الشرع فيكون اربعة مثاقيل في هذا اكاريعين درهما؛ (الهداية ج ۱ ص ۱۷۵)

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک چار مثاقیل سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور صاحبین کے نزدیک اسکے حساب سے واجب ہے یہ کسور کا مسئلہ ہے اور ہر دینار شرعاً دس دراهم کے برابر ہے تو گویا کہ چار مثاقیل چالیس دراهم کی طرح ہیں۔
☆ علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:

وتقرر بعد ذلك كل دينار بعشر دراهم الا ترى ان الدية قد قررت من الذهب بانف دينار ومن الورق بعشرة آلاف في السرقة لا قطع في اقل من دينار او عشرة دراهم؛ (البنایة ج ۳ ص ۴۹۱)

اس کے بعد یہ واضح ہوا کہ ایک دینار دس دراهم کے برابر ہے کیا آپ نہیں جانتے کہ دیت سونے کے حساب سے دیت ایک ہزار دینار اور چاندی کے حساب دس ہزار دراهم مقرر ہیں اسی طرح سرقہ یعنی چوری میں ایک دینار کے بدلے یا دس دراهم کے بدلے ہاتھ کاٹا جائے گا۔

مریج مسالے دار مرغن غذا

نظام ہضم کی خرابی کا باعث بن سکتی ہے



نئی کارمینا لیجی، یہ آپ کو بد ہضمی، قبض، گیس، سینے کی جلن اور تیزابیت سے محفوظ رکھے گی۔

کارمینا

ہاضم ٹکیاں، ہر گھر کی اہم ضرورت

ہمدرد



ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:

www.hamdard.com.pk

مذکورہ بالا تصویروں پر تعلیم سائنس اور ثقافت کا نفاذ منصوص ہے۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ ہمدرد کے ساتھ معذرت بھلا کر دیتے ہیں۔ ہمدرد کے ساتھ ساتھ
شرم و محنت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔